آوازِ دوست میں مختار مسعود کی خاکہ نگاری

منظور وقار
نزد اسٹالن اسکول، یداللہ کالونی، گلبر گہ-585104، موبائل:9731428416

اس سے قبل کہ ہم مختار مسعود کی تصنیف ''آواز دوست'' میں ان کی خاکہ نگاری پر نظر ڈالیں ہم مختار مسعود اور ان کی تصنیف آواز دوست کا مختصر تعارف کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

تعارف مصنف

مختار مسعود سال ۱۹۲۶ء میں علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔علی گڑھ یونیورسٹی سے ہی سال ۱۹۴۸ء میں ایم۔اے کا امتحان پاس کر کے اول پوزیشن حاصل کی۔علی گڑھ یونیورسٹی کی حیثیت ان دنوں آکسفورڈ یونیورسٹی کے برابر تھی۔مولانا محمد علی جوہر اور حسرت موہانی بھی اس یونیورسٹی کے طالب علم رہ چکے ہیں۔مختار مسعود اپنے چالیس سالہ دورِ ملازمت میں ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر فائز رہنے کے علاوہ ۱۵ برسوں تک مختلف وزارتوں میں انڈر سکریٹری رہ چکے ہیں۔بہ حیثیت ادیب آپ کا مقام کافی بلند ہے۔آپ کے چاہنے والے دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔

آپ کی اب تک پانچ تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔آپ کی تصانیف لوح ایام، سفر نصیب اور آواز دوست کا شمار عالمی ادبیات میں ہوتا ہے۔خصوصاً آپ کی کتاب آواز دوست بے حد مقبول ہے۔اس کتاب کے اب تک تقریباً ڈیڑھ سو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔کتاب کی مقبولیت اور مانگ میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔آپ رشید احمد صدیقی کے شاگرد رہ چکے ہیں۔آپ کی علمی اور ادبی خدمات پر آپ کو کئی بین الاقوامی سطح کے ایوارڈز اور اعزازات مل چکے ہیں۔آپ کا ۱۵/اپریل ۲۰۱۷ کو ۸۹ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔آپ کے جسد خاکی کو لاہور میں سپرد خاک کیا گیا۔

تعارف کتاب

آواز دوست میں دو مضامین شامل ہیں۔ایک طویل مختصر جس کا عنوان ہے''مینار پاکستان'' دوسرا طویل تر جس کا عنوان ہے''قحط الرجال''

مینار پاکستان میں مینار پاکستان کی تعمیر، اس کی اہمیت اور عظمت اور مینار پاکستان کی تعمیر کے مقصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس مینار کے پس منظر میں ایشیا، آفریقہ، مشرق وسطیٰ، اندلس، دمشق، مصر، پاکستان اور ہندوستان غرض دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے میناروں کا ذکر اور ان کی تعمیر اور مقصد تعمیر کا بھی ذکر ملتا ہے۔مختار مسعود نے عہد ماضی اور عہد جدید کے میناروں کی تاریخ اور مقصد تعمیر کا اس قدر خوبصورت اور دلکش انداز میں نقشہ کھینچا ہے کہ قاری دو ہزار برس پیچھے لوٹ جاتا ہے۔میناروں کی بلندی، پستی، تعمیر اور تباہی کی پوری تاریخ اس مضمون کا حاصل ہے، مگر ہمارے پیش نظر مضمون مینار پاکستان پر تبصرہ یا تجزیہ نہیں ہے بلکہ اس کتاب کا دوسرا طویل تر مضمون ''قحط الرجال'' میں موجود مختار مسعود کی خاکہ نگاری کا جائزہ لینا ہے۔قحط الرجال کی ابتدا مختار مسعود کی آٹو گراف البم میں موجود بڑے آدمیوں کے دستخطوں سے ہوتی ہے۔مختار مسعود کی آٹو گراف البم میں دُنیا کے چند بڑے لوگوں کے دستخط ہیں۔ہر دستخط کے ساتھ مختار مسعود صاحب دستخط کا خاکہ بناتے چلے جاتے ہیں۔مختار مسعود چھ برس کی عمر میں ایک نیلے رنگ کی رنگین صفحات پر مشتمل آٹو گراف البم خریدتے ہیں۔اسی عمر میں مکان میں تشریف فرما ایک چینی سیاح پروفیسر ابراہم شا کیوچن کے دستخط لیتے ہیں اس کے بعد مختار مسعود عمر کے ایک طویل عرصہ تک بڑے آدمیوں کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں تاکہ ان کے دستخط لے سکیں وہ لکھتے ہیں:

> ''شروع میں یہ بات بڑی آسان لگی کہ کسی بڑے آدمی کے دستخط حاصل کئے جائیں، مگر جوں ہی میں نے دوسرا ورق الٹا سوچنے لگا کہ اب کس کے آٹو گراف لیے جائیں، والد محترم سے رہنمائی چاہی تو ہدایت ملی آٹو گراف البم کے صفحات ہوں کہ زندگی کا ورق سادہ انہیں یونہی بھرنا نہیں چاہیے۔جاؤ انتخاب کو کام میں لاؤ۔بڑے آدمی زندگی میں کم کتابوں میں زیادہ ملتے ہیں۔'' (اقتباس کتاب ہٰذا)

یوں مختار مسعود بڑے آدمیوں کے انتخاب میں لگ جاتے ہیں۔بے شمار بڑے آدمیوں میں چند بڑے آدمیوں کو تلاش کرتے ہیں اور انہی کے دستخط لیتے ہیں جو انتخاب کے معیار پر کھرے اترتے ہیں۔جن بڑے

آدمیوں کے دستخط آٹو گراف البم میں موجود ہیں ان شخصیات کے خاکے اس کتاب میں پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بڑے آدمیوں کی قدر و قیمت سے مختار مسعود اچھی طرح واقف ہیں۔ ان بڑے آدمیوں میں سے چند شخصیات کے خاکے ''قحط الرجال'' میں بنائے ہیں۔ ان خاکوں کی وجہ سے بڑے آدمیوں کی عظمت اور بلندی میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ قحط الرجال میں مختار مسعود نے جن ۲۱ شخصیات کے خاکے قلمبند کئے ہیں ان کے نام ہیں محمد ابراہیم شا کیوچن، میاں نصیر احمد، ہری کلس، مسولینی، میر عثمان علی خان، محمد بہادر یار جنگ، ای۔ ایم فاسٹر، شاہ جی، نواب بھوپال، راجہ صاحب، مولانا آزاد، چوائن لائی، مارشل ٹیٹو، سروجنی نائیڈو، ٹائن بی چرچل، علامہ اقبال، اوتھانٹ اور محمد علی جناح۔ ان بڑی شخصیات میں سے ہم چند بڑے لوگوں کے خاکے دراصل مختار مسعود کی یادوں میں بسے ہوئے بڑے لوگوں کے تذکروں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ آپ ان خاکہ نما تذکروں کا بھرپور لطف لینا چاہتے ہیں تو آپ کو آواز دوست کا مطالعہ کرنا پڑے گا تاہم چند بڑے لوگوں پر مختار مسعود کے بنائے گئے خاکوں سے مختصر مختصر اقتباسات آپ کی خدمت میں حاضر کر رہے ہیں:

پری کلس: اتھینز کے حکمراں پری کلس کے خاکہ نما تذکرہ کا اقتباس:

''یونان میں دیکھنے کے لیے بہت کچھ ہے خواہ اسے دیدۂ عبرت سے بغور دیکھا جائے یا ڈھلے ہوئے دیدے کی سرسری نظر سے، اتھینز میں اکرپوس کی پہاڑی پر سیاحوں کا ایک گروہ کھڑا تھا۔ گائیڈ مختلف سمتوں میں اشارے کرتا اور ایک از بر تقریر کو دہراتا جاتا۔ سامنے میزوا کا مندر تھا۔ جن دنوں پری کلس نے اس عمارت کو تعمیر کیا وہ دُنیا کی خوبصورت ترین عمارت تھی۔ آج اسے سب سے خوبصورت کھنڈر کا درجہ حاصل ہے۔ سب کی نگاہیں مندر پر جمی ہوئی تھیں اور مسافر دیکھ کر عش عش کر رہے تھے۔ میری نگاہ البتہ کاغذ کے چھوٹے سے پرزے پر جمی ہوئی تھی۔ یہ داخلے کا ٹکٹ تھا۔ میں نے اس کی پشت پر لکھی ہوئی عبارت کو بار بار پڑھا۔ اس پر لکھا تھا پری کلس کے عہد حکومت میں ملک مالا مال اور لوگ نہال ہوگئے، مگر وہ اتنا پر نظر تھا کہ اس کی ذاتی ملکیت میں پھوٹی کوڑی کا بھی اضافہ نہ ہوا۔ میں نے اس عبارت پر غور کرنے کے بعد سر اُٹھا کر پاتھنین پر نظر ڈالی تو مجھے عمارت میں اس کے حسن صورت کے ساتھ ساتھ اس کے بنانے والے کے حسن سیرت کی جھلک بھی نظر آئی۔ عمارت کی چھت گر چکی ہے، مگر اس کے ستون دو ہزار برس سے ایستادہ ہیں۔ لغزش سے پری کلس خود بھی محفوظ رہا اور اس کے بنائے ہوئے ستون بھی۔''

مسولینی: مختار مسعود کی تحریر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جب وہ دُنیا کی کسی نہ کسی وجہ سے مقبولیت رکھنے والی شخصیت کا خاکہ بناتے ہیں تو اس شخصیت کے ساتھ ساتھ ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں کہ اس شخصیت کی عظمت سے سبق اور اس کی ذات سے عبرت بھی ملتی ہے۔ مسولینی کی شخصیت کی جھلک ملاحظہ فرمائیے:

''مسولینی نے کام کی ابتدا اچھے بھلے آدمی کی طرح کی تھی۔ اقبال ملے اور متاثر ہوئے۔ آہستہ آہستہ مسولینی کا مزاج بدلتا گیا۔ اس نے اپنا دفتر ایک ساٹھ فٹ لمبے کمرہ میں بنالیا۔ ملاقات کرنے والے کو کمرے کے ایک سرے سے چل کر دوسرے سرے تک جانا پڑتا اور اسے اس بات کا خیال بھی ہوتا کہ مسولینی اسے دیکھ رہا ہے۔ فاصلے کی طوالت اور مسولینی کی ہیبت سے بہت سے لوگوں کے قدم اکھڑ جاتے اور وہ مرعوب ہوجاتے۔ یہی اس منظر کا مقصد تھا، مگر اس اہتمام میں یہ حقیقت فراموش ہوگئی کہ جس نے مخلوق سے اتنا لمبا فاصلہ پیدا کرلیا وہ خالق سے کیونکر نزدیک ہوسکتا ہے۔ لوگوں نے مسولینی کو نزدیک سے صرف ان دنوں دیکھا جب اس کی لاش بازار میں لٹکی ہوئی اس کے اس دعوے کو جھٹلا رہی تھی کہ وہ عصر حاضر پر اپنی انا کے ایسے نشان چھوڑ جائے گا جیسے شیر اپنے شکار کے جسم پر اپنے تیز ناخنوں کے نشان چھوڑ جاتا ہے۔''

میر عثمان علی خان: میر عثمان علی دولت آصفیہ کے آخری تاجدار کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''میر عثمان علی خان کو میں نے بچپن میں پہلی بار اس وقت دیکھا تھا جب وہ وائسرائے کے ساتھ علی گڑھ آئے تھے۔ میں ہال کے نزدیک قطار کے آخری سرے پر کھڑے ہونے والے سب سے چھوٹے بچوں میں شامل تھا۔ ایک پرشکوہ جلوس ہمارے سامنے سے گزرا لوگوں کی نگاہیں اُن شہزادیوں کی طرف اُٹھ رہی تھیں جو خلافت عثمانیہ کے برباد ہونے کے بعد دولت آصفیہ میں آباد ہوگئی تھیں۔ سادہ لوح سمجھے کہ اس پیوند سے کوئی نجات دہندہ پیدا ہوگا حالاں کہ مستقبل شہزادیوں کے بطن سے نہیں بلکہ بطن گیتی سے جنم لیتا ہے۔ کسی نے بتایا نظام دُنیا میں سب سے امیر شخص ہیں تو ان کے ساتھ ہمدردی ہوگئی، مگر وہ بھی

زیادہ دیر قائم نہ رہی۔ جب یہ خبر ملی کہ ان کی ترکی ٹوپی کے کناروں پر میل کی تہہ جمی رہتی تو دل میں ان کی طرف سے میل آگیا۔''

بہادر یار جنگ: بہادر یار جنگ سے بھلا کون اہل علم ہوگا جوان کے نام اور کام سے واقف نہیں۔ بہادر یار جنگ پر راقم نے بے شمار مضامین پڑھے ہیں، لیکن مختار مسعود نے کتاب ہٰذا میں بہادر یار جنگ پر تقریباً ۱۲ صفحات پر مشتمل خاکہ بنایا ہے۔ اس خاکے میں مختار مسعود نے بہادر یار جنگ کی شخصیت، ان کے سماجی ثقافتی اور ملی کارناموں اور تقاریر کا ایسا خوبصورت جامع جائزہ لیا ہے کہ عش عش کرنے کو جی چاہتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے دو اقتباسات:

''بہادر یار جنگ کا قد لانبا اور بدن دہرا تھا۔ وہ خدوخال سے معمر فربہی سے معتبر اور ملبوس سے معزز نظر آتے تھے۔ محمد بہادر خاں کو بہادر یار جنگ کا خطاب جس فرمان شاہی کی جانب سے ملارات کے ایک بجے جاری ہوا تھا۔ اس کے چند سال بعد بہادر یار جنگ کی شہرت کا سورج اوج پر اور خطابت کا سمندر موج پر تھا۔ تو انہیں ایک روز نظام دکن کی طرف سے دو فرمان ملے جن کے عنوان عطا اور سزا تھے۔

بہادر یار جنگ نے طبیعت مشکل پسند اور حق پسند پائی تھی۔ اس لیے سزا والے فرمان کی رسید لکھ دی۔ خطاب واپس ہوا اور جاگیر ضبط ہوئی، فقر میں اضافہ ہوا، عزت اور توقیر بڑھ گئی، خطاب کی واپسی میں بہادر یار جنگ کو خسارہ کے بجائے فائدہ ہوا۔ ان کے نام کے ساتھ محمد کا اضافہ ہوا۔''

''بہادر یار جنگ کی ساری زندگی صرف ایک محور کے گرد گھومتی رہی جسے عشق رسولؐ کہتے ہیں۔ ان کی زندگی سن و سال کے حساب سے قلیل تھی، مگر اسے فکر کے لحاظ سے وقیع اور عمل کے لحاظ سے طویل کہہ سکتے ہیں۔ بہادر یار جنگ کی سیاسی بصیرت کا یہ حال تھا کہ جس رائے کا برملا اظہار کیا وہ سچ نکلا اور جس خطرے کی علی الاعلان نشاندہی کی وہ درست ثابت ہوا۔ ۱۹۳۰ء میں تل ابیب کی نئی بستی کو دیکھا تو خواجہ حسن نظامی سے کہا کہ یہودیوں کو اب فلسطین سے نکالنا اتنا آسان نہیں رہا جتنا عربوں نے سمجھ رکھا ہے۔''

ای۔ ایم فاسٹر: ای۔ ایم۔ فاسٹر انگلستان کا عالمی شہرت یافتہ ناول نگار تھا۔ مختار مسعود نے ای۔ ایم۔ فاسٹر کی ناول نگاری اور شخصیت کا جو خاکہ بنایا ہے یہ بھی مختار مسعود کی ندرت قلم کا کمال ہے۔ ملاحظہ فرمائیے دو اقتباسات:

''فاسٹر جب بیس برس کا تھا اس کے چار ناول چھپ چکے تھے۔ اس نے پینتالیس برس کی عمر میں پانچواں ناول شائع کیا اور زندگی کا باقی نصف حصہ اپنے پانچ ناولوں سے حاصل کی ہوئی دولت اور شہرت کے سہارے بسر کر ڈالی۔ فاسٹر نے جس دُنیا کے بارے میں ناول لکھے وہ اس کی تحریروں میں اپنی خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ محفوظ ہیں۔ تحریریں دو طرح کی ہوتی ہیں بیشتر وہ جن میں زمانہ حنوط شدہ لاش کی طرح محفوظ ہوتا ہے اور معدودے چند ایسی جن میں ہر شے بہت تازہ رہتی ہے۔ فاسٹر کی تحریروں میں کمیاب تازگی ملتی ہے۔''

''آخری دنوں فاسٹر کی ملازمت بڑی انوکھی تھی۔ وہ کیمبرج میں رہتے تھے اور یونیورسٹی کی طرف سے ان کو صرف اس بات کی تنخواہ ملتی کہ جب کوئی چاہے ان کے دروازے پر دستک دے اور ان سے گفتگو کرے کچھ حیثیت چڑیا گھر کے شیر کی تھی کہ بچے جب چاہیں ان کے پاس آکر دیکھ لیں اور کچھ حیثیت سبیل کی تھی کہ پیاسے جب چاہیں آکر پیاس بجھالیں۔''

حسرت موہانی: مختار مسعود نے حسرت موہانی کا ۱۸ صفحات پر مشتمل ایک بھرپور خاکہ بنایا ہے ملاحظہ فرمائیے اس خاکے کا دلچسپ اور دلکش اقتباس:

''جب میں نے البم کے ورق اُلٹے تو حسرت موہانی کے دستخط پر نگاہیں ٹک گئیں۔ یہ شخص بھی عجیب ہے چار بار جیل ہوئی، گیارہ حج کئے اور تیرہ دیوان شاعری کے مرتب کئے، سیاسی ہنگاموں کا حساب اور عوامی تحریکوں کا شمار ناممکن ملک کے لیے آزادی مانگی تو کالج سے نکالے گئے اور حوالات میں داخل کئے گئے۔ کتب خانہ اور اردوئے معلی ضبط ہوا۔ نایاب قلمی نسخے پولیس ٹھیلوں پر لاد کرلے گئی۔ مسودات ان کے سامنے جلائے گئے، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔ ایک بار گرفتاری کا یہ منظر تھا کہ جلسہ گاہ میں زمین پر منھ کے بل گرے ہوئے تھے، پولیس کے کچھ سپاہی مار رہے تھے اور کچھ اُٹھا رہے تھے۔ کچھ نہ بن پڑا تو زمین پر اُگی ہوئی گھاس کو پکڑ لیا اور جب انہیں اُٹھایا گیا تو گھاس بھی جڑ سے اکھڑ آئی۔ ذرا سی دیر میں پولیس کی لاری پر یوں لادے گئے جیسے باربرداری کا سامان لادا جاتا ہے۔ اس وقت ان کی زبان

پر انقلاب زندہ باد کا نعرہ تھا۔ دونوں مٹھیوں میں گھاس دیکھنے والوں نے جانا کہ یہ شخص فرنگ کے دبدبے کو پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔''

سروجنی نائیڈو: آواز دوست میں سروجنی نائیڈو کا ذکر بھی کوئی تقریباً ۲۰ صفحات پر محیط ہے۔ بلبل ہند سروجنی نائیڈو کا دلکش اور پرکشش خاکہ مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اس خاکے کا اقتباس:

''سروجنی نائیڈو دبلی پتلی بوٹا قد تنگ دہن آنکھیں کشادہ اور روشن بالوں میں گھنگھریں اور چھوٹا سا جوڑا گردن پر ڈھکا ہوا گلے میں موتیوں کا ہار بائیں ہاتھ کی پہلی انگلی میں بڑی سی انگوٹھی ساڑی کا پلو کاندھے پر کلپ سے بندھا ہوا صورت من موہنی پہلی نظر میں پر اگر دوسری میں پراسرار میں نے جب اس بت کو دوسری بار نظر بھر کر دیکھا تو عورت کی شکل صورت میں نے سروجنی نائیڈو کی صرف تین تقریریں سنی ہیں ان کی ہر تقریر ایک اچھی غزل کی طرح دلکش ہوتی جس طرح غزل برسوں پرانی ہونے کے باوجود اس میں تازگی اور دلکشی برقرار رہتی ہے یہی کیفیت سروجنی نائیڈو کی تقریروں کی تھی سروجنی نے بارہا اپنی تقریروں میں اسلام اور مسلمانوں سے اپنا رشتہ جوڑا۔ عورتوں سے خطاب ہوتا تو وہ پدمنی ساوتری اور سیتا کے ذکر کے ساتھ ساتھ اس احسان کا بھی ذکر کرتیں جو اس صنف پر اسلام نے اس کے حقوق تسلیم کرنے کے سلسلے میں کیا ہے''

محمد علی جناح: پاکستان کے قائداعظم محمد علی جناح کا ذکر تقریباً بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اس خاکہ کا اقتباس:

''میں نے قائداعظم کو پہلی بار ۱۹۳۸ء میں دیکھا تھا۔ علی گڑھ کے چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن پر ایک چھوٹا سا ہجوم جمع تھا۔ ریل آئی تو اس ہجوم میں ذرا سی ہلچل ہوئی۔ پہلے درجے کے ڈبے سے جو شخص نکلا وہ کسی تکلف یا توقف کے بغیر سیدھا لوگوں کے دلوں میں آ کر گیا۔ بیضوی چہرہ، چمکدار آنکھیں اور گرجدار آواز، کم گو اور کم آمیز خاموشی میں باوقار اور گفتگو میں بارعب استادگی میں اتنے سیدھے کہ اپنی بلند قامت سے بلند تر اور اپنی پختہ عمر سے کمتر لگتے تھے۔ کوئی ان کی مقناطیسیت سے بچ نہ سکا اور ہر شخص ان کی برتری کا قائل ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں پلیٹ فارم پر استقبال کے لیے لوگ اس جگہ جمع ہوں گے اس کے بعد سال میں دوبار علی گڑھ آئیں گے ہر بار ہجوم اور اس کا شوق بڑھتا جائے گا ان کا تصور ہجوم شوق کے بغیر نہ کر سکیں گے۔''

ٹائن بی: ٹائن بی عالمی شہرت یافتہ مؤرخ جس نے ہزاروں صفحات پر مشتمل کتاب ''تاریخ کا ایک مطالعہ'' تصنیف کی۔ اس کا یہ کارنامہ ناقابل تسخیر، ناقابل فراموش اور ناقابل تقلید کا درجہ رکھتا ہے، مختار مسعود نے ٹائن بی کا تقریباً ۲۰ صفحات پر مشتمل خاکہ بنایا ہے۔ یہ بے کمال اور لازوال خاکہ صرف اور صرف پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اقتباس:

''ٹائن بی نے جوانی میں جب عروج و زوال یونان کی داستان سنی تو اس کے دل میں سوال پہلے یہ آیا کہ تہذیب مغرب کا انجام بھی یہی ہوگا جرأت محنت استحکام، فتوحات و سستی کاہلی عیاشی تباہی کھنڈرات کی کھدائی عجائب گھر کی زینت وہ معلوم کرنے نکلا تو اس نے ساری تاریخ پر نظر ڈالی اور اس کے قلم سے ''تاریخ کا مطالعہ'' کے عنوان سے ایک بے حد ضخیم اور اہم ترین کتاب منظر عام پر آئی۔

اس کتاب کا موضوع کسی عہد یا علاقے کی تاریخ نہیں بلکہ تاریخ عالم اور تاریخ انسانی کا ایک ایسا جائزہ ہے جس کی رو سے ایک نیا فلسفۂ تاریخ قائم ہوتا ہے۔ ٹائن جی کے فلسفۂ تاریخ کا حاصل یہ ہے کہ تاریخ کے مطالعہ کے لیے موزوں اکائی نہ ملکوں کی غیر مستقبل سرحدیں ہیں نہ ان کی عارضی حکمرانیاں بلکہ تہذیب یا معاشرہ ہے بس اتنی سی بات تھی جسے ٹائن بی نے افسانہ بنا کر ہزارہا صفحات تیرہ ابواب دس جلدوں اور زندگی کے بتیس سالوں پر پھیلا دیا اب صدیوں بعد بھی جب کبھی تاریخ کا ذکر آئے گا لوگ پیچھے مڑ کر ٹائن بی کی طرف دیکھیں گے''

مندرجہ بالا خاکوں کے اقتباسات تو بس چند چھوٹی چھوٹی جھلکیاں ہیں جب آپ کتاب کا مطالعہ کریں گے تو پتہ چلے گا مختار مسعود کی ندارت قلم اور رنگ و آہنگ کی کتنی وسیع کائنات اس کتاب میں سما چکی ہے۔

مختار مسعود کے اسلوب میں بلا کی روانی اور شگفتگی ہے، مشاہدہ گہرا ہے، واقعات سے شخصیات اور کرداروں کی تخلیقی عکس بندی میں وہ قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے نوک قلم سے ادا ہونے والی ایک ایک سطر حتیٰ کہ ایک ایک جملہ بھی اس قدر پرکشش ہے کہ عش عش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ جوں جوں آپ بڑے آدمیوں کے تذکرہ نما خاکوں کا مطالعہ کرنے لگتے ہیں مختار مسعود کی زبان کی چاشنی اور تاب و توانائی آپ کو متحرک کرنے لگتی ہے۔ آواز دوست مختار مسعود کی تخلیقی صلاحیتوں اور ندرت قلم کا نقطۂ عروج ہے۔ OO